

سامراج کے مقابل

اقبال احمد کے تین انٹرویو

ڈیوڈ برٹین

ترجمہ: جمیل جہلمی



سامراج کے مقابل
اقبال احمد کے تین انٹرویو

ڈیوڈ بریمین
ترجمہ: حمید جہلمی

مشعل

عوامی کپیلسٹس، عثمان بلاک، نیوگارڈن ٹاؤن،

لاہور۔ 54600، پاکستان

سامراج کے مقابل

ڈاکٹر اقبال احمد کے تین انٹرویوز
ڈیوڈ برسٹین

ترجمہ: حمید جہلمی

کاپی رائٹ اردو (C) 2001 مشعل

انگریزی میں یہ کتاب Confronting Empire کے نام سے 2000 میں پلوٹو پریس لندن نے شائع کی ہے۔ پیش لفظ کے جملہ حقوق ایڈورڈ سعید کے نام ہیں۔ کتاب کا اردو ترجمہ پلوٹو پریس لمیٹڈ لندن کی اجازت سے شائع کیا جا رہا ہے۔

ناشر: مشعل

آر۔ بی۔ ۵، سیکنڈ فلور،

عوامی کمپلیکس، عثمان بلاک، نیوگارڈن ٹاؤن، لاہور۔ 54600، پاکستان

فون و فیکس 042-35866859

E-mail: mashbks@brain.net.pk

ترتیب

- 4 اظہار تشکر
- 5 صبح آزادی _____ فیض احمد فیض
- 7 جنوبی ایشیا کا نقشہ
- 8 سوانحی خاکہ
- 11 مقدمہ _____ ڈیوڈ بریسبین
- 14 پیش لفظ _____ ایڈورڈ سعید
- 30 باب اول _____ ناقدانہ سوچ رکھو اور خطرے مول لو۔
- گاندھی اور تقسیم، کشمیر کے لئے جدوجہد، اعلیٰ تعلیم، فرانز فینن، میلکم ایکس، نوم چومسکی، ایڈورڈ سعید، فلسطین کا مسئلہ، فیض احمد فیض، مستشرقیت، طالبان، چودھراہٹ کی تشکیل نو، امریکی لیفٹ کا مستقبل۔
- 100 باب دوم _____ مسخ شدہ تاریخ
- نیشنلزم کے خطرے، بعض خبریں جو شائع ہونے کے قابل ہیں۔ قبائل کو پرچم پکڑا دیئے گئے۔ جنوبی ایشیا میں ایٹمی سیاست، نیشنلزم اور اسلام، سرد جنگ کے بعد یک طرفہ اقدامات، دہشت گردی کی اصطلاح، ایران سے رسم و راہ، ترکی اور اسرائیل، آرمینی باشندوں کی نسل کشی، وی ایس نائی پال، گارڈز کی تبدیلی، اپنے اصول کی طرف واپسی، مارکس کا ورثہ، علمی و فکری کام۔
- 157 باب سوم _____ پناہ گاہ قبول نہ کرو
- جبر و استبداد کی شناخت، شاعری اور انقلاب، اقتدار کی بیماری، سری لنکا، بلقان میں نسلی اختلاف، بین الاقوامی یک جہتی، فرد پرستی کا کاروبار، گراچی اور کامو، محفوظ پناہ گاہ قبول نہ کرو۔
- اقبال احمد کے منتخب مضامین کی فہرست۔

اظہارِ تشکر

میں ممنون اور سپاس گزار ہوں دیباچے کے لئے ایڈورڈ بلیوسعید کا، فیض احمد فیض کی نظم ”صبح آزادی“ کے انگریزی ترجمے کے لئے شاہد علی کا۔ اس نظم کی خطاطی کے لئے فاروق علی کا۔ اس کتاب میں شامل تصویروں کے لئے جیولی ڈائمنڈ، ابن حام داؤر بیکا کینڈل کا۔ نقشوں کے لئے زولٹن کراس مین آف ولسکونسن کارٹوگرافرز گلڈ کا اور متعدد حوالوں کی فراہمی کے لئے زینب استر آبادی، زبیدہ مصطفیٰ اور عمران قریشی کا۔ دیگر معاونت اور مشوروں کیلئے ہمشائر اور دوسری جگہوں پر اقبال احمد کے طلباء دوستوں اور رفقاء کا۔ سینڈی ایڈلر نقول کی تیاری میں مہارت نامہ رکھتی ہیں۔ ساؤتھ اینڈ پریس میں سونیا شاہ اور انتھوتی آرنوف نے متدوین میں ہاتھ ہٹایا، میں اُن کا بھی شکر گزار ہوں۔

اس کتاب کے چند اقتباسات نومبر 1998ء میں رسالہ پروگریسو، میڈیسن، ولسکونسن میں اور مارچ 1999ء میں ہمل کھٹینڈونیاپال میں شائع ہوئے۔

اس کتاب سے جو آمدنی ہوگی اس کا ایک حصہ ہمشائر میں اقبال احمد کی یاد میں ہونے والے بیکچروں کے لئے وقف رہے گا، قارئین مزید معلومات کے لئے اقبال احمد انڈاومنٹ، پریزنٹ آفس ہمشائر کالج ایبمر سٹ 1002-mao-یو ایس اے فون نمبر 552-559-413 سے رجوع کریں۔

ای میل: dfernandez@hampshire.edu

کتاب کے پہلے باب کے لئے انٹرویو 14، 15 دسمبر 1996ء کو ہمشائر کالج میں، باب دوم کے لئے انٹرویو اسی جگہ 24 اگست 1998ء کو باب سوم کے لئے 12، 13 اکتوبر 1998ء کو بولڈر کولورڈو میں انٹرویو لیا گیا۔

صبح آزادی

(اگست 1947ء)

یہ داغ داغ اُجالا یہ شب گزیدہ سحر
وہ انتظار تھا جس کا یہ وہ سحر تو نہیں
یہ وہ سحر تو نہیں جس کی آرزو لے کر
چلے تھے یار کہ مل جائے گی کہیں نہ کہیں

فلک کے دشت میں تاروں کی آخری منزل
کہیں تو ہوگا شب ست موج کا ساحل
کہیں تو جا کے رکے گا سفینہ غم دل

جواں لہو کی پُراسرار شاہراہوں سے
چلے جو یار تو دامن پہ کتنے ہاتھ پڑے
دیارِ حسن کی بے صبر خواب گاہوں سے
پکارتی رہیں باہیں بدن بلاتے رہے

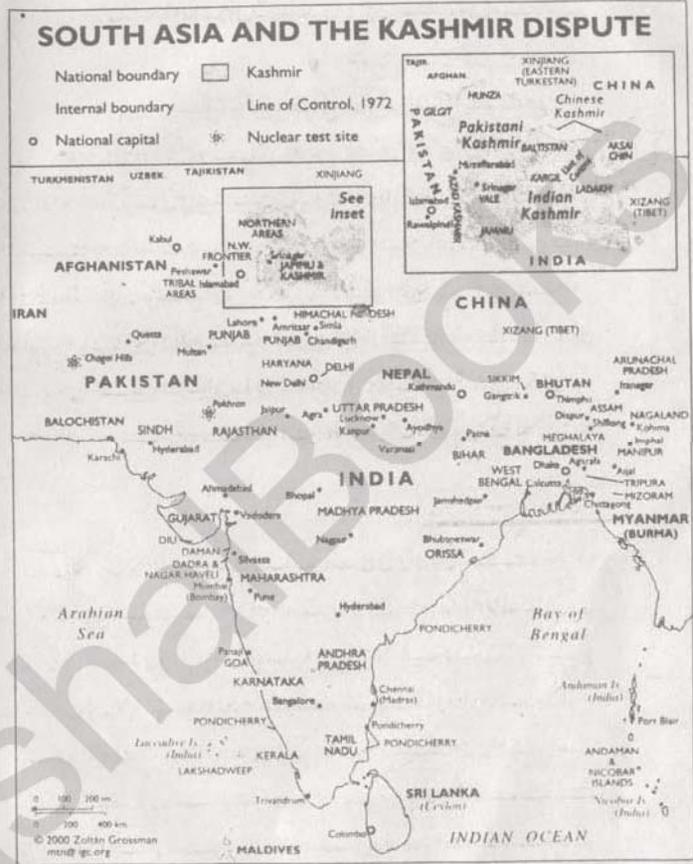
بہت عزیز تھی لیکن رخِ سحر کی لگن
بہت قریں تھا حسینانِ نور کا دامن
سبک سبک تھی تمنا دہلی دہلی تھی تھکن

سنا ہے ہو بھی چکا ہے فراقِ ظلمت و نور
 سنا ہے ہو بھی چکا ہے وصالِ منزل و گام
 بدل چکا ہے بہت اہل درد کا دستور
 نشاطِ وصلِ حلال و عذابِ ہجرِ حرام

جگر کی آگ، نظر کی اُمنگ، دل کی جلن
 کسی پہ چارہ ہجراں کا کچھ اثر ہی نہیں
 کہاں سے آئی نگار صبا کدھر کو گئی

ابھی چراغِ سرہ کو کچھ خبر ہی نہیں
 ابھی گرانیِ شب میں کمی نہیں آئی
 نجاتِ دیدہ و دل کی گھڑی نہیں آئی
 چلے چلو کہ وہ منزل ابھی نہیں آئی

فیض



اقبال احمد

اقبال احمد 1933ء تا 1934ء میں ہندوستان کے صوبہ بہار کے گاؤں ارکی میں پیدا ہوئے، چند برس بعد ان کے والد زمین کے تنازعے میں قتل ہو گئے، جب یہ واردات ہوئی تو نوجوان اقبال اپنے والد کے پہلو میں لیٹے ہوئے تھے۔ 1947ء میں ہندوستان کی تقسیم کے دوران، وہ اور ان کے بڑے بھائی ہجرت کر کے پاکستان چلے گئے۔ (۱)

اقبال احمد نے 1951ء میں لاہور کے فورمین کرسچین کالج سے گریجویشن کی اور اقتصادت میں ڈگری لی۔ کچھ عرصہ فوجی افسر کی حیثیت سے فرائض انجام دیئے۔ 1957ء میں امریکی تاریخ کے روٹری فیلو کے طور پر انہیں کیلئے فورنیا کے آکسڈنٹل کالج میں داخلہ ملا۔ 1958ء سے 1960ء تک انہوں نے پرنسٹن یونیورسٹی میں مشرق وسطیٰ کی تاریخ اور پولیٹیکل سائنس کی تعلیم حاصل کی، بعد ازاں انہیں اسی مضمون میں پی ایچ ڈی کرنے کا اعزاز حاصل ہوا۔

1960ء سے 1963ء تک وہ شمالی افریقہ میں رہے۔ ان کا زیادہ وقت الجزائر میں گزارا، جہاں وہ نیشنل لبریشن فرنٹ میں شامل رہے۔ وہاں وہ فرانفین کے ساتھ مل کر کام کرتے رہے۔ ایویان میں جو امن مذاکرات ہوئے، اقبال احمد ان میں شرکت کرنے والے الجزائر وند کے رکن تھے۔

امریکہ واپس آئے تو 1964ء سے 1965ء تک الی نوائے یونیورسٹی (شکاگو) میں 1965ء تا 1968ء میں کارنیل یونیورسٹی کے سکول آف لیبر ریلیشنز میں پڑھاتے رہے۔ ان برسوں میں انہیں بیت نام اور کمبوڈیا سے متعلق امریکی پالیسیوں کے سب سے پہلے اور شدید ترین مخالف کے طور پر شہرت حاصل ہوئی۔ (2) 1969ء میں معلمہ اور ادیبہ جیولی ڈائمنڈ سے انہوں نے شادی کی۔ 1968ء سے 1972ء تک شکاگو کے ایڈلی سٹیونسن انسٹیٹیوٹ کے فیلور رہے۔

1971ء میں ہنری کسنجر کو اغوا کرنے کی سازش میں شریک ہونے کے الزام میں، کیتھولک

امن پسند پادریوں ڈینیل اور فلپ بیرگن اور دیگر چار کیتھولک پادریوں کے ساتھ ان پر فروجرم عائد کی گئی۔ لیکن 59 گھنٹے کی سماعت کے بعد چیوری نے اس مقدمے ہی کو غلط قرار دے دیا۔

1972ء سے 1982ء تک اقبال احمد، انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی سٹڈیز کے سینیئر فیلور ہے۔ 1973 سے 1975ء تک انہوں نے اس انسٹی ٹیوٹ کے سمندر پار محققہ ادارے، ”ٹرانس نیشنل انسٹی ٹیوٹ“ ایگزیکٹو ڈیم کے پہلے ڈائریکٹر کے طور پر نمایاں خدمات انجام دیں۔

1982ء میں انہوں نے ایمبرسٹ میساچوسٹس کے ہمشائر کالج کی فیکلٹی میں شمولیت اختیار کی، جہاں وہ عالمی سیاسیات اور پولیٹیکل سائنس پڑھاتے رہے۔

1990ء کے عشرے کے اوائل میں وزیر اعظم بے نظیر بھٹو کی حکومت نے انہیں ایک آزاد اور متبادل یونیورسٹی قائم کرنے کے لئے ایک قطعہ زمین دیا۔ یہ یونیورسٹی خلدونہ کے نام سے موسوم ہوتی تھی، لیکن اس کی نوبت ہی نہیں آئی، کیوں کہ بے نظیر بھٹو کے شوہر آصف زرداری نے اس زمین پر قبضہ کر لیا وہ یہاں گالف کورس اور ایک کلب تعمیر کرنا چاہتے تھے۔ (۳)

اقبال احمد ایک زود نویس مضمون نگار اور فعال شخصیت تھے، دنیا بھر کے انقلابی رہنما، صحافی، سرگرم عمل لیڈر اور پالیسی ساز افراد ان سے اکثر مشورہ کرتے اور رہنمائی حاصل کیا کرتے۔ وہ رسالے Race and Class کے مدیر، ٹڈل ایسٹ رپورٹ اور (Tiers Monde, L Economiste du) کے کنٹریبیوٹنگ ایڈیٹر رہے، وہ پاکستان فورم کے بانیوں میں سے ہے اور عرب سٹیڈیز کوارٹری کے عملہ ادارت کے رکن تھے، اقبال احمد ایک یگانہ روزگار دانشور تھے، جنہیں کوئی طاقت اور ہیئت حاکمہ کبھی مرعوب نہ کر سکی، وہ نویم چومسکی ہاورڈزن، ابراہیم بولغوردر چرڈفاک فریڈچیمسن، الیکزینڈر کاک برن اور ڈینیل بیرگن ایسی متنوع شخصیتوں کے رفیق کار تھے۔ (4)

1997ء میں ہمشائر سے ریٹائر ہونے کے بعد وہ مستقل طور پر پاکستان میں رہنے لگے تھے۔ یہاں وہ پاکستان کے سب سے موثر اور قدیم انگریزی روزنامے ڈان میں ہفتہ وار کالم لکھنے لگے، 11 مئی 1999ء کو حرکت قلب بند ہو جانے کے باعث اسلام آباد میں ان کا انتقال ہوا۔ انہیں بڑی آنت کا کینسر ہو گیا تھا، جس کی صرف ایک ہفتہ قبل تشخیص ہوئی اور آپریشن کیا گیا، اسی دوران دل کا دورہ پڑا، جو جان لیوا ثابت ہوا۔

حوالے

1- ایڈورڈ سعید: He Brought Wisdom and Integrity to the Cause of Oppressed People.

اخبار گارڈین، 14 مئی 1999ء صفحہ 22۔

2- مائیکل ٹی کافمین "Eqbal Ahmad: Scholar and Activist. Dies at 67" May 13, 1999

3- عابد اسلم "Celebrating the life of Eqbal Ahmad" Towards Freedom 48:4 (1999 August, 23)

He brought wisdom.....

4- ایڈورڈ

مقدمہ

اقبال احمد کے بارے میں ماضی کے صیغے میں سوچنا مشکل ہے میں جب ان کے لفظوں پر نظر دوڑاتا ہوں تو ان کی شہد کی سی میٹھی آواز اور خوش الحان لہجہ، میرے کانوں میں رس گھولنے لگتا ہے۔ اقبال احمد اردو شاعری کے بڑے رسیاتھے وہ اپنی بات سمجھانے اور بات کی تہہ تک پہنچنے کے لئے بر محل شعر پڑھتے، وہ نفی سے اثبات تک پہنچنے کے عادی تھے، میں ان کے بارے میں خوشی اور غم کے ملے جلے احساسات کے ساتھ لکھ رہا ہوں، خوشی اس بات کی کہ ہمیں ان کی یہ کتاب میسر ہے اور غم اس بات کا کہ اقبال اب ہم میں نہیں رہے۔

مجھے یاد پڑتا ہے کہ جب پہلے پہل میں نے ان سے کتاب کے لئے سلسلہ وار انٹرویو کرنے کی بات کی تو ان کی آنکھوں میں چمک آگئی اور انہوں نے دلہانہ انداز میں اتفاق کا اظہار کیا انہوں نے میرے خیال کو پسند کیا۔ میں نے ایڈورڈ سعید کے ساتھ "The Pen and the Sword" کے عنوان سے جو کتاب لکھی تھی اس کا دیباچہ اقبال احمد نے ہی لکھا تھا (1) نوم چومسکی اور ہارڈ زن کے ساتھ میں نے جو کام کیا تھا، وہ اس سے بھی اچھی طرح واقف تھے۔ ہماری ملاقات عجب صورت میں ہوئی تھی، وہ عمر کے اعتبار سے مجھ سے بڑے تھے لیکن ہم دونوں ایک ہی "کنارے" پر تھے میں نے ہمیشہ ان سے ایک تعلق خاطر محسوس کیا، میں نے کچھ وقت جنوبی ایشیا میں گزارا تھا اور ان کی زبان "اردو" بولی تھی اور ہند کی اسلامی ثقافت میں ان کی دلچسپی کو سمجھا تھا۔ (2) میں اپنے ماں باپ کی طرح بے گھر نہیں ہوا تھا لیکن وہ جس اکھاڑ پچھاڑ اور ابتلا سے گزرے اس کا مجھ پر گہرا اثر تھا۔

اقبال سے ملنے سے بہت پہلے میں ان سے اور ان کی فعالیت اور کارکردگی سے آشنا ہو چکا تھا۔ 1983ء میں نیویارک میں ہماری پہلی ملاقات ہوئی۔ یہ یادگار اور بے حد فکر انگیز اور خیال افروز تھی۔ ہم ان کے باورچی خانے میں بیٹھے تیسری دنیا، امپریلزم اور دوسروں پر انحصار کے بارے میں باتیں کرتے رہے تھے۔ میرا خیال تھا کہ میں نے ان کا بہت ہی اہم انٹرویو لے لیا ہے۔ میں نے اس وقت اسے سننے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔ لیکن گھر پہنچا اور ٹیپ ریکارڈ چلایا تو پتہ چلا کہ ٹیپ پرتو کچھ بھی نہیں تھا وہ خالی تھا۔ میں بٹن دبانا اور اسے چلانا بھول گیا تھا۔ جس طرح جنوبی ایشیا میں کہتے ہیں۔ ”بابا اب کیا کریں؟“۔ گھبراہٹ اور شرمندگی کے احساس کے ساتھ میں نے اقبال کو فون کیا اور انہیں اپنی حماقت کے بارے میں بتایا۔ انہوں نے کہا کہ ”کوئی بات نہیں آجائے ہم دوبارہ باتیں کر لیں گے“ ایک دوروز بعد ہم نے دوبارہ انٹرویو کر لیا۔ کشادہ ولی اور مژدہ دت ان کا خاصہ تھا۔ برسوں بعد جب بھی میں نے یہ قصہ ان کے دوستوں کو سنایا تو سب کا کہنا تھا کہ ”اقبال واقعی ایسے انسان ہیں“

انٹرویو کا وقت بڑی تیزی سے اور کسی تکلیف کے بغیر پورا ہو گیا حالانکہ اس میں چھ گھنٹے لگے۔ انہیں گفتگو کرنے کا سلیقہ آتا تھا وہ بات سے بات نکالتے، جو سننے والے کو افسانوی اور باتیں کرنے پر ابھارتی۔ ہماری گفتگو کے دوران کھانے پینے کا دور بھی چلتا رہا، اگست 1998ء میں ہم نے اسی قسم کی ایک طویل گفتگو کے درمیان وقفہ کیا اور ماؤنٹ ہولی اوک کے گرد ایک چکر لگایا۔ اس وقت وہ متفکر اور سنجیدہ سے تھے۔ انہوں نے بتایا کہ ان کی صحت اچھی نہیں۔ دس مہینے بعد وہ انتقال کر گئے۔

یہ کتاب جن انٹرویوز پر مشتمل ہے ان کے موضوعات آج بھی وقت سے ویسے ہی ہم آہنگ ہیں جیسے ان کے ساتھ باتیں کرتے وقت تھے۔ دوسرے لفظوں میں تروتازہ ہیں، اقتصادی زوال اور پاکستان میں ہوش ربا انداز حکمرانی (اکتوبر 1999ء میں جب جنرل پرویز مشرف نے نواز شریف کو معزول کیا ہے اس کے بعد سے پاکستان ایک بار پھر فوجی کنٹرول میں ہے) ہندو بنیاد پرستی، جنوبی ایشیا میں اسٹیٹ تھیٹار، کشمیر، افغانستان، بلقانی ریاستیں، سری لنکا، فرقہ پرستی، اقتدار کے قضیے تیسری دنیا کے ملکوں کا انتشار اور امریکی امپریلزم کے تہ بہ تہ مسائل، بہت سوں نے ان موضوعات پر بات کرنا چھوڑ دی تھی۔ لیکن اقبال احمد نے ان کا ذکر کرنا کبھی نہیں چھوڑا۔ ان کے عزیز دوست پرویز ہود بھائی نے اقبال احمد کا لیکچر پہلی بار سننے کے بعد کہا کہ ”اقبال احمد نے جس

علم و دانش، زور بیان اور جوش و جذبے کے تباہ کن امتزاج کے ساتھ اور بی خطا نشانے لگا کر امریکہ کی سامراجی ہم جوئی کے گرد بنے ہوئے جھوٹے اور مفروضوں کے بننے ادھیڑے ہیں اس سے پہلے کبھی دیکھنے سننے میں نہیں آیا۔“

ان دنوں عوامی دانشوروں کی تحسین و ستائش کی ایک روچل پڑی ہے، لیکن اقبال احمد، علم و دانش اور عملی جدوجہد کا نادر نمونہ تھے۔ انہوں نے سماجی تبدیل لانے کی داعی، ترقی پسند تحریکوں کو صرف اپنے علم و فکر کی کمک ہی نہیں پہنچائی بلکہ بذات خود ان تحریکوں میں عملی حصہ بھی لیا۔ وہ عوام اور عدل و انصاف کے لئے فکر مند رہتے تھے۔

دوسرے انٹرویو کا اختتام علامہ اقبال کے ایک شعر پر ہوا ہے جس میں ان جذبات اور احساسات کا اظہار کیا گیا ہے جن کی بازگشت اس کتاب کے ہر صفحے میں سنائی دے گی۔ اقبال احمد ان لوگوں میں سے تھے جو حقائق کے اندر جھانکنے کی اہلیت رکھتے ہیں۔

بولڈر کولور ایڈو

مئی 200۰ء

حوالے

- 1- اقبال احمد۔ ایڈورڈ سعید کی کتاب The Pen and the Sword
- 2- دیکھئے ہارڈزن کی کتاب The Future of History
- 3- اور چومسکی کی کتاب The Common Good

جرأتِ گفتار و کردار کو سلام

ایڈورڈ سعید

ہمارے عزیز دوست اور رفیق اقبال احمد کی گھنٹوں تعریف و توصیف کی جاتی ہے۔ وہ اس کے مستحق بھی ہیں۔ اس کے باوجود ان کے بارے میں مزید بہت کچھ کہا جاسکتا ہے۔ میں جی ہی جی میں خوش ہوتا ہوں اور اپنی پیٹھ تھپکتا ہوں کہ میں اقبال کے بارے میں بہت کچھ کہہ سکتا ہوں یا کم از کم اس کی کوشش کر سکتا ہوں۔ ان کے بارے میں سب سے قابل ذکر بات یہ ہے کہ اس امر کے باوجود کہ دوسروں کے مقابلے میں انہوں نے بہت سی سرحدیں عبور کیں اور نئی نئی حدود پامال کیں، ہر نئی صورت حال، ہر نئی جگہ اور ہر سیاق و سباق میں ان کی نہایت پُر اعتماد شخصیت اسی طرح قائم رہی۔ یہ قطعاً کوئی نسلی یا مذہبی شناخت کا معاملہ نہیں ہے۔ اور نہ ہی اس کا کسی رواجی استقلال سے تعلق ہے جو بالعموم ثابت قدم شہریوں سے منسوب کیا جاتا ہے، بلکہ اقبال احمد کی فکر و دانش کی تابناکی اور بے ساختگی، بے عیب تجزیہ، مستقل مزاجی اور گرم جوشی نے رڈ یارڈ کپلنگ کے کردار ”کم“ کے بقول انہیں پوری دنیا کا ہدم اور دم ساز بنا دیا ہے۔ (۱)

شکاگو، بیروت، نیویارک، تیونس ایمبرسٹ غرض جہاں بھی اُن سے ملاقات ہوئی، میں نے حیرت سے دیکھا کہ وہ نہایت آسانی کے ساتھ اپنے آپ کو ایک نئی اور ایسی شخصیت میں ڈھال لیتے ہیں جو نئی صورت حال سے نبرد آزما ہے۔ تاہم ان کی بنیادی خصوصیت میں سرموتبدیلی یا فرق محسوس نہیں ہوتا۔ انہی اوصاف نے انہیں ہمیشہ کے لئے ہمارا سچا دوست اور رفیق کار بنا دیا۔ اقبال احمد طلباء، نوجوانوں، دوستوں، ضرورت مندوں اور جدوجہد میں ہم سفروں کے لئے وقت دینے کو تیار ہمیشہ رہتے۔ وقت، علم اور چیزوں کے عطا کرنے میں ان جیسا فیاض کوئی نہیں دیکھا۔